INTERNATIONAL PREMIER JOURNAL OF LANGUAGES & LITERATURE (IPJLL)
VOLUME 3, ISSUE 5, 2025 p-ISSN: 3007-2336 e-ISSN: 3007-2344

اکیسویں صدی ناول ثقافتی زوال کا بیانیہ

THE 21ST CENTURY NOVEL IS A NARRATIVE OF CULTURAL DECLINE

Dr. Uzma Noreen
Uzma.noreen@gcwus.edu.pk
Lecturer, Urdu Department, G.C Women University, Sialkot, Punjab, Pakistan.

Abstract

In 21st Century Up to two hundred novels have been written in Urdu till now. Most of the novels have shown significant progress in the field of defeat of civilized values and scientific inventions. The novels of this era have covered the fading traces of civilization, the crumbling and dying economy, the aversion to religion, the increasing bribery in government and private departments, the crumbling tradition of the joint family system, the widespread destruction due to drugs, sexual promiscuity, the obsessive greed for what is right and what is wrong to earn wealth, the declining and deteriorating morality and promiscuity of young boys and girls, the destruction of sectarianism and the conditions of the new generation wandering in search of their roots. Modern man has been badly trapped in the spread of the Internet and its swindling business. In this context, many novelists have made the defeat of civilized values the subject of their novels.

Keywords: *Civilized Values, Scientific Inventions, Moral Decline, Socio-economic Crisis, Internet Influence.*

Corresponding Author: Dr. Uzma Noreen (Lecturer, Urdu Department, G.C Women University, Sialkot, Punjab, Pakistan). **Email**: **Uzma.noreen@gcwus.edu.pk**

اکیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے اردو ناول سو سال سے زیادہ کا سفر طے کر چکا تھا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس صنف نے خاصی ترقی کر لی تھی۔ یہ صنف پختہ شعور، مکمل ذہنیت، کمالِ فن، بردباری اور سنجیدگی کی وجہ سے شباب کے دوراہے پر کھڑی ہے۔یعنی ناول انیسویں صدی کے آخری تیس سال یعنی مرأۃ العروس سے لے کر امراؤ جان تک تعمیری اور تشکیل دور میں سانس لیتا نظر آتا ہے اور اپنی شناخت میں مصروفِ عمل تھا۔اس طرح بیسویں صدی میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر تبدیلیوں ،جنگِ آزادی کی پھر افراتفری ،آزادی کے حصول، فسادات، ہجرت، مختلف تحاریک ، جنگ و جدل اور دیگر بےشمار واقعات اور سانحات نے ناول کو نئے موضوعات کی پہچان دی۔اسی طرح جاگیردارانہ مسائل، خاندانی نظام کا زوال، پاکستان کے دولخت ہو جانے، مختلف مارشل لاؤں کی تباہ کاریاں ایسے سانحات ہیں جس نے اردو ناول کو نئی ہنگامہ خیزیاں دیں۔ اس طرح ناول تہذیبی، تمدنی،ثقافتی، معاشرتی، طبعی، لسانی، طبقاتی، سائنسی ایجادات کی وجہ سے ترقی کی راہ پر چلتا رہا اور اس کے منظر نامے پر بڑی ہلچل نظرآتی ہے۔

اکیسویں صدی میں آج تک اردو ناول تیسری دہائی کا نصف عرصہ مکمل کر چکا ہے۔اس عرصے میں عالمی اور ملکی سطح پر خاصی تغیر پذیری کا شکاررہا۔ سیاسی، سماجی، معاشی اور اس طرح مختلف سطحوں پر واضح تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں۔ سائنس و ٹیکنالوجی کے مثبت اور منفی اثرات نے انسانی زندگی پر مختلف نوعیت کے اثرات ڈالے اور عصری تقاضوں کو پیش کیا۔ ڈاکٹر نعیم انیس کے الفاظ میں:

"اردو ناولوں نے ہر دور میں انسانی زندگی، زمانے کی گردش، شکست و ریخت کے سلسلے سیاسی و سماجی مسائل، عروج و زوال کی داستانیں، تغیرات و تبدل، روایتوں کی پاس داری، تہذیب و ثقافت کی عکاسی، ادبی تخریفات کے اثرات،اقتدار کی سازشیں اور زمانے کے بدلتے ہوئے رویے کی حقیقی عکاسی کچھ اس ندازد سے کی ہے کہ ان میں ہمارا معاشرہ جلوہ گر نظر آتا ہے ۔"(۱)

اس اقتباس میں ناول کی ہمہ گیریت، آفاقیت اور وسعت بیان کے حوالے سے ایک دستاویز بیان ہوئی ہے۔اب ہم اردو ناول میں ثقافتی زوال کے بیانیے پر تبادل خیال کریں گے اور مختلف ناولوں میں مثالیں پیش کریں گے۔

اردو کے حوالے سے یہ ایک پیچیدہ بحث ہے کہ اس میں تہذیبی زوال پذیری کو کیسے ناپا جائے۔ اگر ایک طرف زوال پذیری ہے تو دوسری طرف سائنسی ترقی بھی تو ہوئی ہے اور اس طرح اس کو میکانکی انداز دینا مشکل ہے۔یہ اقتباس دیکھیے:

"اگرچہ ادب میں اس وقت کی تقسیم اس میکانکی ڈھنگ سے کرپانا ممکن نہیں جس طرح تاریخ میں کی جاتی ہے ۔مگر پھر بھی بعض آسانیوں اور علمی ضرورتوں کے باعث ہم ادب میں بھی ادوار کا تعین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اکیسویں صدی کے روحانی اور اخلاقی مصائب کی ابتد بیسویں صدی کی آخری دہائیوں سے ہی ہو گئی تھی۔نوے کی دہائی میں سرد جنگ کا خاتمہ، سوویت یونین کا بکھرنا، دیوارِ برکن کا ٹوٹنا اور تاریخ کی موت کا اطالق ایسے واقعات ہیں جس کے دہانے پر کھڑے ہو کر ہم اکیسویں صدی کا استقبال کر رہے ہیں ۔"(۲)

موجودہ دور تک اردو میں دو سو تک ناول تحریر ہو چکے ہیں۔زیادہ تر ناولوں میں تہذیبی اقدار کی شکست و ریخت سائنسی ایجادات کے حوالے سے خاصی پیش رفت ہوئی۔اس دور کے ناول نے تہذیب کے مٹتے نقوش، بکھرتی اوردم توڑتی معیشت،مذہب سے بےزاری ، سرکاری اور پرائیویٹ محکموں میں بڑھتی ہوئی رشوت خوری، مشترکہ خاندانی نظام کی ٹوٹتی بکھرتی روایت، منشیات کے نتیجے میں پھیلی ہوئی بربادی،جنسی بےراہ روی، دولت کمانے کے لیے جائز و ناجائز کی جنونی حرص، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی گرتی اور بگڑتی ہوئی اخلاقیات و بےراہ روی ، فرقہ واریت کی تباہی اور اپنی جڑوں کی تلاش میں سرگرداں نئی نسل کے حالات کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔انٹر نیٹ کے پھیلے ہوئے جال اور اس کے گورکھ

دھندے میں دورِحاضر کا انسان بری طرح پھنس چکا ہے۔ اسی تسلسل کے حوالےسے کئی ناول نگاروں نے اپنے ناولوں میں تہذیبی اقدار کی شکست کو موضوع بنایا مگر مشرف عالم ذوقی نے کئی یادگار ناول صفحۂ قرطاس پر ابھارے ہیں۔ ان کی بیالیس سالہ ادبی تخلیقات کے پس منظر میں کئی خوب صورت اور جدید موضوعات کے حوالے سے ان کے قلم کا خاصہ ہیں۔

ان کے پہلے ناول "عقاب کی آنکھیں"(۱۹۷۹ء)سے ناول کا یہ سفرشروع ہوا اور پھرا کیسویں صدی میں ان کے کئی معرکہ آراء ناول جسے"پوکے مان کی دنیا"،"مسلمان"،"لے سانس بھی آہستہ"، "نالہ شب گیر"،"آتش رفتہ کا سراغ"منظرعام پر آئے۔ مثلاً"مسلمان"میں انھوں نے جاگیردارانہ نظام کے خاتمے کے ساتھ ساتھ نوآبادیاتی نظام کی آمد اور نقطہ عروج اور پھر اس کے زوال کے حوالے سے بات کی ہے۔ اسی طرح طوائفی کلچراور جھوٹی نوابی شان و شوکت کے حوالے سے بات کی ہے۔اس کے علاوہ انھوں نے دیگر ناولوں میں بھی یہی مسائل اور ان کے ساتھ جڑے ہوئی عصری میلانات سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ناول"لے سانس بھی آہستہ"کے حوالے سے پروفیسرریاض احمد لکھتے ہیں":

"لے سانس بھی آہستہ"(۲۰۱۱ء)ذوقی کا اہم ناول ہے۔ موضوع کے اعتبارسے یہ ایک چھوٹا ناول ہے۔یہ چار نسلوں پر محیط ہے۔ اس میں تہذیب و اخلاق اور زندگی کے بارے میں منطقی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔اس ناول میں ذوقی نے تقسیم ہند سے لے کر موجودہ عہد تک کے مسائل کو زیرِ بحث لایا ہے اور معاشرے میں جس طرح تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ان کی عکاسی کی سعی کی ہے۔"(۳)

عہدِ حاضر کے ناول نگاروں میں عبدالصمد کا نام بھی نمایاں ہے۔ انھوں نے چھ ناول لکھے ہیں جن میں "دھمک"،"بکھرے اوراق"،"شکست کی آواز"،"جہاں تیرا ہے یا میرا"وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے ہاں سیاسی زندگی کے حوالے سے خاصی بحث ملتی ہے۔اقتدار کے کھیل سے عام شہریوں کے مسائل بڑھنے پر بات ہوئی ہے۔ عام شہریوں کو سیاست کے بدبودار کھیل سے دھوکہ دینے کے حوالے سے"بکھرے اوراق"اہم ہے،ساتھ ساتھ اس ناول میں دہشت گردی کے مسائل بھی اجاگر کیے گئے ہیں۔ ناول "شکست کی آواز"میں انسانی نفسیات اور جنسی امور و مسائل کو موضوع بنایا ہے۔اس طرح "جہاں تیرا ہے یا میرا" میں سماجی اقدار کے زوال کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ یہ ناول مسلمانوں کی حالتِ زار ، بےروزگاری ،والدین اور بچوں کے درمیان رسہ کشی کو بھی موضوعِ بحث بناتا ہے۔

حسین الحق بھی عبدالصمد کے قریب قریب کے موضوعات کو سامنے لائے ہیں۔وہ افسانوی حوالے سے زیادہ مصروف ہیں مگر ناول"اماؤس میں خواب"میں اخلاقی اقدار کی زوال پذیری، سماجی رویوں ،اخلاقی قدروں کی گراوٹ اور مذہبی منافرت کے حوالے سے خاصا اہم ہے۔اسماعیل مرچنٹ مرکزی کردار ہے جو بالآخر پٹنہ ریلوے اسٹیشن پر بم دھماکے میں جان کی بازی ہار جاتا ہے۔اس ناول کے بارے میں شہاب ظفر اعظمی لکھتے ہیں :

"طویل گیپ کے بعد حسین الحق کا نیا ناول"اماؤس میں خواب" (۲۰۱۷ء) آیا جو ایک بڑے کینوس پر لکھا گیا ہے۔ اس میں آزادی کے بعد کی سیاسی،سماجی صورتِ حال بھی ہے اور مسلمانوں کی زندگی میں پیش آئے تغیرات و انقلابات بھی۔ تعلیم کی کساد بازاری بھی ہے اورسیاست کی عیاری بھی۔ اس میں بھیونڈی، مالیگاؤں، بھاگلپور،بابری مسجد، گجرات، لوجہاد،گٹور گچھا سب کچھ موجود ہے اور ان سب کو کو خوب صورتی سے قارئین تک پہنچانے کے لیے اسماعیل، قیدار، نائلہ اور رمیش جیسے مضبوط کردار تراشے گئے ہیں ۔"(۴)

رواں صدی کے منظر نامے میں ایک اور اہم ناول رحمان عباس کا ہےجن کے پانچ ناول شائع ہو چکے ہیں۔"نخلستان کی تلاش"(۲۰۰۴ء)،"ایک ممنوعہ محبت کی کہانی"(۲۰۰۴ء)،"خدا کے سائے" (۲۰۰۹ء)، "زرحزن"(۲۰۱۶ء)اور "زندیق"(۲۰۲۲ء)ان کے ناول ہیں۔ ان کے ہاں عصری شعور کے حوالے سے مکمل ڈکشن موجود ہے۔ان کا تخلیقی شعور عصری مسائل کی عکاسی سے آراستہ ہے۔وہ قاری کی ذہن سازی اور فکر

کے دریچے وا کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے۔ ان کے سارے ناول سماجی مسائل جیسے تہذیبی و ثقافتی اقدار کے زوال کو سامنے لاتے ہیں۔ سید محمد اشرف کا تخلیقی سفرتو "نمبر دار کا نیلا"سے بیسویں صدی کی آخری دہائی میں شروع ہو گیا تھا مگر اکیسویں صدی میں انھوں نے"آخری سواریاں "کے نام سے ماضی کی تہذیبی اقدار سے روگردانی کو ایسے انداز میں موضوع بنایا ہے کہ موجودہ نسل پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ناول میں گنگا تہذیب کے زوال کی مکمل عکاسی ملتی ہے۔ تاریخی حقائق کو پس منظر کے طور پر برتا گیا ہے۔اس طرح کہیں پر سفر نامے کے حساب سے بھی واقعات کا بیان ملتا ہے۔اس ھوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"نانی امی کے گھر اور پنڈت ماما کے مکان کی دیوار مشترک تھی۔ دیوار کے دونوں طرف دونوں گھروں کے صحن تھے اور دیوار کے پیچھے وہ سمبھے کا کنواں تھا جو آدھے چاند کی شکل میں دیوار کے ادھر اُدھر استعمال ہوتا تھا۔"(۵)

چوں کہ اُس دور میں احترامِ انسانیت ہی بڑا سرمایہ تھی لیکن آج کے دور میں احترام باہمی،آپسی رواداری اور بھائی چارہ کی فضا کا پنپنا ممکن نہیں رہا۔ آج کے دور میں ذات پات کے حساب سے انسان کوتولا جاتا ہے۔ مذہب و ملت کے مسائل بھی ہیں۔ رنگ و نسل کے ضمن میں بھی ترجیحات بدل گئی ہیں۔

انیس اشفاق جو کہ ایک فکشن نگار ہونے کے سات ساتھ نمایاں نقاد بھی ہیں ۔انھوں نے اکیسویں صدی میں د و بہترین ناول لکھے۔ایک کانام "دکھیارے"اور دوسرے کا نام"خواب سراب"ہے۔انیس اشفاق بکھری تہذیب کے دل دادہ ہیں اور اس تہذیب کے زوال کے شاید آخری ناول نگار بھی۔ ان کے ناول"دکھیارے"پر گزشتہ لکھنو کی آپ بیتی کا گمان ہوتا ہے۔ اس طرح"خوب سراب"کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ"امراؤ جان ادا"کا تسلسل ہے۔وہی تہذیب اور وہی محفلیں اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔ "خواب سراب"کو سائنس اکیڈمی نے انعام بھی دیا ہے۔ اس ناول میں وہ باتیں بتائی گئی ہیں جن کا ذکر ہادی رسوا نے نہیں کیا تھا اور ایک نئے دور کا لکھنو نظر آتا ہے۔"امراؤ جان ادا "کے قصے میں طوائفوں کی مستیاں جب کہ "خواب سراب"میں انھی طوائفوں کی کسمپرسی سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔قدیم لکھنو میں طوائف کو معاشرتی ترقی کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے جب کہ جدید دور میں اب ان کے حالات ناگفتہ بہ ہیں۔انیس اشفاق نے اس پردرد دور کا ذکر ایسے انداز میں کیا ہے کہ دل دکھتا ہے۔ماضی کی شکایتیں بھی ایسے انداز میں کی گئی ہیں کہ تہذیبی زوال کی مکمل تصویر آنکھوں میں آجاتی ہے۔پرانی تہذیب دم توڑرہی ہے اور مسجدیں، امام بارگاہیں، پرانی عمارات، انسانی جذبات،انسیت، تجسس، درد و فکر، لکھنو کی گلیاں، محرم کی مجلسیں،جلوس کی شان و شوکت اور تزئین کاری اور خودداری وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔لکھنو کا یہ رنگ "امراؤ جان ادا"میں مفقود ہے۔

احمد صغیر نے اکیسویں صدی کو چار خوب صورت اور من موہنے ناول دیئے ہیں ۔ان میں "جنگ جاری ہے"(۲۰۰۲ء)، "دروازہ بھی بند ہے"(۲۰۰۸ء)،"ایک بوند اجالا"(۲۰۱۳ء)،"آسمان سے آگے"(۲۰۱۹ء)شامل ہیں۔پہلا ناول"جنگ جاری ہے" بابری مسجد کے انہدام کی دل دوز داستان بیان کرتا ہے اور اس وقت کے ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات کے حوالے سے حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر پیش کرتا ہے۔"دروازہ بھی بند ہے"ایک ایسا ناول ہے جس میں گجرات کے فسادات اور مٹتی ہوئی گنگا جمنی تہذیب کے زوال کے حوالے سے تاریخی حقائق کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی دل دوز داستان ہے جو انسان کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ایک ایسی قوم جو صدیوں سے ہندوستان پہ حکمرانی کرتی رہی لیکن حوادث زمانہ اور آپسی اختلافات کی وجہ سے وہ اب چھوٹے چھوٹے گروپوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔اس حوالے سے صغیر احمد نے چند ایسے سوالات کیے ہیں جن کا جواب شاید آج کے ہندوستانی مسلمان کے پاس نہ ہو:

"آج کا انسان انتظارمیں بیٹھا ہے کہ دنیا میں انقلاب آئے گا۔لیکن انقلاب کب آئے گا؟ انقلاب کون لائے گا؟جب کہ آدمی آہستی آہستی جانور بنتا جا رہا ہے۔اب آدمی بولتا نہیں بھونکتا ہے یا پھر دُم ہلاتا ہے۔ایسے میں

انقلاب کیسے آئے گا۔ انقلاب آئے یا نہ آئے غریب آدمی کو چاہیئے روٹی کپڑا اور مکان !لیکن وہ بھی میسر نہیں۔"(۶)

اوپر کے اقتباس میں طنزیہ انداز میں مسلمانوں پر نشتر زنی کی گئی ہے کہ انقلاب گھر بیٹھے تو ہیں آتے بلکہ مل کر چلنے اور اتفاق سے آتا ہے۔دوسرا یہ کہ آج کل کے انسان کےتہذیبی زوال پر طنز کیا گیا ہے کہ آج کل ہم قوم نہیں بلکہ جانوروں کا ریوڑ ہیں۔جس طرف چاہو موڑ لو۔اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ حکمرانوں نے عوام کو دو وقت کی روٹی کا محتاج بنا کر ہماری رہی سہی ہمت بھی ختم کردی ہے۔

ترنم ریاض سرزمینِ کشمیر سے تعلق رکھنے والی ناول نگار ہیں۔وہ نمایاں شاعرہ بھی ہیں۔اُن کے دو ناول "مورتی"اور"برف آشنا پرندے"شائع ہوئے ہیں۔ ان کے ناولوں میں کشمیر کی سرزمین کے حوالے سے اس دھرتی کے دکھیارے عوام کے درد آشنا احوال، مجبور، بےبسی،لاچاری اور نسائی خواہشات و احساسات کو بیان کیا گیا ہے۔دیگر یہ کہ ان کے ناولوں میں کشمیر کی حسین وادی کے نظارے، لہلہاتے کھیت،سرسبز و شاداب باغ، بہتے چشمے و دریا،اونچے پہاڑ، میوہ جات، پھول اور پھل وغیرہ کی رعنائیاں ہر سو بکھری نظر آتی ہیں۔ان کے ناول"برف آشنا پرندے"میں کشمیر کی مخصوص ثقافت، رہن سہن، گھان پانی، شہری زندگی کے مسائل دو نسلوں کی سوچ کا فرق،لڑکیوں کی تعلیم میں آنے والی رکاوٹیں اور اعلیٰ تعلیم کی خواہشیں شامل ہیں۔ اس ناول میں کشمیر کی دم توڑتی ہوئی تہذیب کے حوالے سے اہم مواد ملتا ہے۔اساتذہ اور شاگردوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کے حوالے سے بھی یہ ناول اہم ہے۔ اس حوالے سے اسلم جمشید پوری لکھتے ہیں :

"۔۔۔ایسا ناول ہے جس میں کشمیر کی دو نسلوں کے درمیان تصادم،جدید اور قدیم سوچ کا ٹکراؤ ،دہشت گردی، لڑکیوں کی تعلیم میں آنے والے رخنے، آزاد خیال لڑکی، تعلیمی درس گاہوں کا ماحول، ایک دوسرے نیچر میں حائل خلیج، معاشی مسائل، معاشرتی مسائل وغیرہ کو بہت خوب صورتی سے ناول کے قصے میں ڈھالا گیا ہے ۔"(۷)

ثروت خان کے دو ناول"اندھیر پ"اور"کڑوے کریلے"(۲۰۲۰ء)منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان کے ہاں بیواؤں کے ساتھ ناروا سلوک کی نشان دہی کی گئی ہے، بیوائیں ہمارے معاشرے میں ہمیشہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جانے والی خواتین ہوتی ہیں۔ ثروت خان نے بیوہ کے دکھ درد اور اس پر روا رکھے جانے والے ظلم کی طرف اشارہ کیا ہے:

"راجھستانی تناظرلے کر ثروت خان نے اس پارینہ موضوع کو ایک ایسی تازہ کار تھیم میں بدل دیا ہے جس میں بیوہ کی بپتا تانیثی بغاوت میں بدل جاتی ہے۔بیوہ کی بپتامیں راجھستان کے پروہتوں کی حویلیوں کا نقشہ ناریوں کے کیمپوں کی یاد دلاتا ہے۔"(۸)

سفیہ بیگم اگرچہ ہندوستانی افق پر افسانہ نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں مگر ان کا ایک ناول "خلش"اس حوالے سے اہم ہے کہ اس میں عورت کے حوالے سے اس کی سماجی حیثیتکی حقیقت پر سوالات اٹھائے گئے ہیں ۔ دیگر یہ کہ اس کی حیثیت کا بھی تذکرہ کر کے سوال پوچھے گئے ہیں۔عورت کی سماجی ذادی کا بھی تذکرہ کیا ہے اور اس طرح انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں ان سارے سوالات کے حوالے سے اس ناول میں خامہ فرسائی کی ہے اور عصری تقاضوں کے مطابق سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔

غضنفر کا سفر نوناولوں پر منحصر ہے۔ سفر بیسویں صدی کی آخری دہائی سے شروع ہوا ہے اور آخری ناول ۲۰۱۲ء کو منظرِ عام پرآیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ نقاد، مضمون نگار،غزل گو، افسانہ نگار اور خاکہ نگار کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں۔ غضنفر کے ناولوں کا کینوس خاصا وقیع ہے جس میں ہر قسم کے پیشے سے تعلق رکھنے والے لوگ سامنے آتے ہیں۔ ان کے ناول"مانجھی"میں غریب طبقے کی خودداری اور حقیقت پسندی کو موضوع بنایا ہے۔ اس کے علاوہ اس ناول میں ہندوستانی سماجی حقیقت نگاری کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔"مانجھی"ایک کردارہے جو ہندوستانی تہذیب و تمدن کے حوالےسے ایک اقتباس میں یوں کہتا ہے :

"پرنتو بےچارے بہت بھوکے ہیں۔ذرا سا دانا ان کی اور پھینکئے تو ٹوٹ پڑتے ہیں۔یہ لیجیے پیکٹ اور اس سے دانہ پھینک کر دیکھیئے۔۔پرندوں نے ان دانوں کو کو ہوا میں ہی روک دیا ۔ایک دانے کو بھی نیچے نہیں گرنے دیا۔"(۹)

اس ناول کا تھیم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مرد اور عورت کو اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے مگر عورت کو آج تک وہ سماجی درجہ نہیں ملا جس کی وہ مستحق ہے۔اس حوالے سے ایک راج کمار ایک غریب لڑکی سے شادی کرنے کی ٹھان لیتا ہے اورشادی ہوتے ہی اس کے سامنے تین عجیب قسم کی شرائط منوالیتا ہے کہ یہ کرو گی تو ٹھیک ورنہ قتل کر دی جاؤ گی۔ وہ شرائط یہ ہیں:

"پہلا کام" ہمارے خزانے سے ایک پیسہ خرچ ہوئے بنا میرے لیے ایک محل بنوانا۔"

دوسرا کام،"تم سے میرا کام نہیں چلے گا اک راجکماری کا پر بندھ کرنا ہو گا۔

تیسرا کام۔"میں تم سے دور رہوں گا مگر میرا بچہ تمہارے پاس ہونے چاہئے۔"(۱۰)

یہ داستانوی انداز کی شرائط تھیں مگر لڑکی مان جاتی ہے۔ بہر حال وہ راجکمار کی تینوں شرطیں پایہ تکمیل تک پہنچا دیتی ہے۔ ناول میں قصہ در قصہ کہانیاں چلتی ہیں۔

"قربت مرگ میں محبت"مستنصر حسین تارڑ کا شاہکار ناول ہے جس کا مرکزی کردار خاور ہے۔ اس کے علاوہ مزید تین نسوانی کردار بھی ہیں۔خاور کی بیوی فوت ہو گئی تو بیٹیوں کے بار بار کے اصرار کے باوجود اس نے شادی نہیں کی اور سب کی شادیاں کروا کر اسلام آباد آگیا۔ اسلام آباد میں ایک ممنوعہ علاقے میں رہائش اختیارکر لیتا ہے۔کئی بار لوگ اس کے مکان کو گرانے آئے مگر سیاسی اثرو رسوخ رکھنے کی وجہ سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا :

"اس گھر کو غیر قانونی قرار دے کر اتھارٹی کے بل ڈوزر کئی بار ڈھانے کے لیے آئے تھے مگر آس پاس کے مقامی ایم این اے کے حواریوں کے بھی گھر تھے۔بیوروکریسی کے خوشہ چینوں کے بنگلے بھی تھے اور ایٹمی سائنسدانوں کی آماجگاہیں تھیں اس لیے وہ بل ڈوزر حاضری لگوا کر درِ دولت پر جھک کر صرف کاروائی ڈال کر واپس چلے جاتے تھے۔"(۱۱)

خاور کے ساتھ تین خواتین ملتی ہیں۔ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی مسئلے کی وجہ سے ذہنی مریضہ بنی ہوئی ہے۔

"قلعہ جنگی"تارڑ صاحب کا ایک اور شاہکار ناول ہے۔ اس ناول کا پس منظر افغانستان کی جنگ ہے۔ اس جنگ کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کے جو احساسات وہ آج کل پوری پاکستانی قوم کے بھی ہیں۔ ایک ایسی جنگ جس میں ہمارا کچھ بھی لینا دینا نہیں تھا مگر ہم پرائی آگ میں کود پڑے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ امریکہ ہمیں استعمال کر رہا تھا اور ہم آج کی طرح ان کے غلام بے دام بن کر اپنے ایک ہمسائے کے یار غار بنے ہوئے تھے۔ یہ جنگ ختم ہوئی تو اس کے اثرات نے ہمیں تباہ کردیا۔ کیوں کہ امریکہ کے ارادے دراصل وہ نہ تھے جس پر ہم دھوکا کھا گئے تھے۔ ہماری فوجی حکومتوں نے امریکہ کی خوش نودی کے لیے ہر وہ کام کیا جو عوام کو منظور نہیں تھا۔ امریکہ کے مطالبات (Do more)کی صورت میں بڑھتے گئے اور اس طرح افغانستان کے حوالے سے اپنی پالیسی روز بہ روز اپنے زوال کی جانب بڑھتی گئی۔ جب وہاں امن آیا تو وہ ہمیں اپنادشمن خیال کرنے لگے۔ وجہ یہی تھی کہ ہم بن بلائے مہمان کی طرح وہاں مجاہدین کی شکل میں اپنی بدنامی کا پروانہ لکھوا چکے تھے۔ پھر یہی مجاہدین طالبان کی شکل میں ہم پر مسلط ہو گئے اور ہمارا ملک خصوصاً خیبر پختونخواہ دہشت گردی کا نشانہ بننے لگا اور پوار خطہ آگ اور خون کی لپیٹ میں آیا۔ اس حوالے سے امجد طفیل لکھتے ہیں :

"افغانستان میں رونما ہونے والےانسانی المیے نے بہت سے لکھنےوالوں کو اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔اس میں"قلعہ جنگی"اس اعتبار سے اہم تجربہ ہے کہ اس میں ایک ناول نگار کی حساس طبع نے سیاسی معاملات میں الجھنے کی بجائے انسانی المیے کو اپنا موضوع بنایا ہے۔"(12)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی غلط پالیسیوں کی وجہ سے ہم نے اپنے ملک کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا۔اس پہ طرہ یہ کہ ہمارے باوردی آقا اپنی اسی غلطی کو ماننے کی بجائے ہمارے سیاست دانوں کے سر تھوپ رہے ہیں اور اس طر ح ہم روز بروز خطرناک صورتِ حال کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ہمارے ریٹائرڈ ہونے والے باوردی حکمران اپنی مدت ملازمت ختم کر کے بیرون ملک جزیرے خرید کر وہاں امن کی زندگی گزارنا شروع کردیتے ہیں مگر ہم ان جنگوں کا ایندھن بنتے جا رہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نعیم انیس ،اکیسویں صدی میں اردو ناول، ہندوستانی اکیڈمی، دہلی، ۲۰۱۸ء،ص۱۱۲
۱۰۔ ایضاً،ص۱۶۵
۲۔ کوثر مظہری/امتیاز احمد علیمی، نیاناول نیاتناظر ، (اکیسویں صدی میں)، ایجوکیشنل پبلشنگ، کمپنی، دہلی، ۲۰۱۲ء،ص۲۱
۳۔ منظور حسین، اکیسویں صدی میں اردو ناول، ایجوکیشنل پبلشنگ، کمپنی، دہلی، ۲۰۱۳ء،ص۲۶۸
۴۔ کوثر مظہری/امتیاز احمد علیمی، نیاناول نیاتناظر ، (اکیسویں صدی میں)،ص۱۸۱
۵۔ سیدمحمد اشرف،آخری سواریاں، رائل بک کمپنی،دہلی، ۲۰۱۷ء،ص۱۶
۶۔ احمد صغیر، دروازہ ابھی بند ہے، اترپردیش اردو اکادمی،لکھنو،۲۰۱۳ء،ص۱۶
۷۔ اسلم جمشید پوری، ترنم ریاض کا فن، مشمولہ، پیش رفت، مئی جون ۲۰۲۴ء،ادارہ اسلامی ہند،علی گڑھ،ص۲۴
۸۔ ثروت خان، اندھیرا پگ، ہندوستانی اکادمی، دہلی، ۲۰۱۳،ص فلیپ
۹۔ ترنم ریاض، برف آشنا پرندے، ہندوستانی اکادمی، دہلی، ۲۰۱۷ء،ص۱۱۵۔۱۱۶